انکارِ حدیث..... حق یا باطل؟
(ایک منکرِ حدیث کے شبہات کے جوابات)

تحریر: فضیلۃ الشیخ مولانا صفی الرحمان مبارکپوریؒ

روایتوں کے متفرق اور متضاد ہونے کی حقیقت: آپ نے روایتوں کو متفرق اور متضاد لکھا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی غیر مسلم آپ سے یہ سوال کر بیٹھے کہ آپ کا قرآن ابتداء میں متفرق تھا یا مجتمع؟ اور اگر مجتمع تھا تو کس لوح پر، وہ لوح کہاں ہے؟ اسے کس نے دیکھا ہے؟ اور اس بات کی شہادت کیا ہے کہ انہوں نے دیکھا ہے؟ پھر یہ شاہدین قابل اعتبار تھے بھی یا نہیں؟ انہوں نے اپنی شہادت کن کن لوگوں کے سامنے ادا کی؟ پھر ان لوگوں کی حیثیت کیا تھی؟ وھلم جرّا..... اگر آپ کے سامنے ایسے سوالات پیش کر دیئے جائیں تو آپ کیا جواب دیں گے؟ حدیث تو خیر ''فلاں فلاں سے اور فلاں فلاں سے'' کے واسطے سے نبی کریم ﷺ تک پہنچ بھی جاتی ہے مگر آپ لوحِ قرآن کیلئے تو اتنا بھی ثبوت فراہم نہیں کر سکتے!!!

باقی رہا تضاد کا معاملہ تو یہ محض ایک ''ہوّا'' ہے، جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ صحیح احادیث میں کوئی تضاد نہیں۔ ظاہر بینی کے لحاظ سے اگر آپ حضرات نے کچھ مثالیں فراہم کر لی ہیں تو ایسی مثالیں قرآن کے نہ ماننے والوں نے خود قرآن سے فراہم کی ہیں تو کیا آپ تسلیم کریں گے کہ (نعوذ باللہ) قرآن میں بھی تضاد ہے؟ پھر آپ حضرات اپنی ''تدبر فی القرآن'' کی مخصوص صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے قرآنی آیات کا جیسا کچھ مفہوم سمجھتے ہیں، ان کے لحاظ سے تو قرآن مجید تضاد سے بھرا نظر آئے گا۔ مثال دیکھنی ہو تو پچھلے اوراق پلٹ لیجئے (اور اگلے صفحات میں بھی ملاحظہ فرمایئے گا) ظن کی بحث میں آپ کی پیش کردہ جن قرآنی آیات پر ہم نے بحث کی ہے وہ سب کی سب آپ کے بتلائے ہوئی مفہوم کے اعتبار سے خود قرآن ہی کی دوسری آیات سے ٹکرا رہی ہیں۔

روایات کی کتابت میں تاخیر: آپ کو اس کا بھی ادعا ہے کہ ''روایتیں کتابت میں آنے سے پہلے زید، عمرو،

بکر کی زبانوں پر بے روک ٹوک گشت کر رہی تھیں، اور قیدِ کتابت میں آنے کے بعد اس پر ''صحیح'' کا لیبل چسپاں کر دیا گیا۔ ان کی حیثیت نیم تاریخی مواد ہے.....'' وغیرہ

مجھے آپ لوگوں کی جرأت پر حیرت ہے، جن حوالوں کی بنیاد پر آپ قیدِ کتابت کی تاریخ متعین کرتے یا کر سکتے ہیں انہی حوالوں کی رو سے یہ بات بالکل صاف اور قطعی طور پر عیاں ہے کہ احادیث کے قیدِ کتابت میں آنے سے پہلے صرف دو طبقے پائے جاتے ہیں: ایک صحابہ کرامؓ کا طبقہ اور دوسرا تابعین عظامؒ کا۔ پہلا طبقہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ﴿والذین معه﴾ سے تعبیر کیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جن کی عملی معیت کو شامل کر کے آپ دین کو مکمل مان رہے ہیں اور دوسرا طبقہ ان کے تربیت یافتگان کا ہے جسے قرآن نے ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُم بِاِحْسَان﴾ [التوبہ:۱۰۰] سے تعبیر کیا ہے۔ کیا قرآن کے یہ دونوں مقدس طبقے آپ کی نگاہ میں ایسے ہی ایرے غیرے، نتھو خیرے قسم کے ہیں کہ آپ انہیں زید، عمرو، بکر جیسی اہانت آمیز تعبیر کا نشانہ بنائیں، اور اقوال وافعالِ رسول ﷺ کے متعلق ان کی روایت اور بیان کو ایک کافر کی بے سند تاریخی روایت کے برابر بھی نہ سمجھیں؟

تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو!

یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ جن کتابوں اور حوالوں کی بنیاد پر آپ حضرات نے یہ شگوفہ چھوڑا ہے کہ جن حدیثوں پر ''صحیح'' کا لیبل چسپاں کیا گیا ہے وہ حدیثیں قیدِ کتابت میں آنے سے پہلے زید، عمرو، بکر کی زبانوں پر بے روک ٹوک گشت کرتی تھیں اور قصہ گویوں، داستان سراؤں اور واعظوں کی گھڑی ہوئی ہیں ان کتابوں اور حوالوں سے آپ حضرات اپنا دعویٰ قطعاً ثابت نہیں کر سکتے۔ **ولو کان بعضهم لبعض ظهیرًا**

ان کتابوں اور حوالوں سے جو کچھ سمجھا جا سکتا ہے وہ یہی ہے کہ اُسوۂ رسولؐ صحابہ کرامؓ کے درمیان عملاً بھی محفوظ تھا اور قولاً بھی، اور اس کے بعد والے طبقوں تک منتقل ہوا۔ پھر تدوین حدیث کے زمانے میں کچھ لوگوں نے اپنے مختلف النوع اغراض کیلئے حدیثیں گھڑیں اور کوشش کی کہ اپنی گھڑی ہوئی احادیث کو اُسوۂ رسولؐ یعنی صحیح احادیث کے ساتھ گڈمڈ کر کے اپنے دیرینہ مقاصد کو حاصل کر لیں۔ مگر وہ اس میں بری طرح ناکام ہوئے۔ شیعوں نے اہل بیت کے سیاسی تفوق کیلئے حدیثیں گھڑیں۔ اباحیت پسندوں نے اپنی راہ ہموار کرنے کیلئے اور عقلیت پسندوں نے اپنی عقلیت کو وجہ جواز فراہم کرنے کیلئے۔ گھڑنے والوں نے اپنی جعلی احادیث کی ترویج کا طریقہ یہ سوچا کہ کچھ مشہور اصحابِ حدیث کی صحیح اور قوی سندوں سے ان جعلی احادیث کو روایت کریں تاکہ کسی کو ان کی صحت میں شک نہ ہو لیکن جوں ہی یہ روایتیں اہل علم کے سامنے آئیں، گھڑنے والے پکڑے گئے۔ کیونکہ کسی بھی بڑے

محدث کے ہزاروں شاگرد ہوا کرتے تھے۔ اب ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص اس محدث سے ایسی حدیث روایت کرے جو ان ہزاروں شاگردوں میں سے کسی کو بھی معلوم نہ ہو اور وہ اس پر بھی اس کا اعتبار کر لیں۔ ایسے راوی پر فوراً جرح شروع ہوتی تھی۔ پچیسیوں تنقیحات ایسی تھیں کہ کسی جعلساز کیلئے نکل بھاگنے کی کوئی راہ باقی نہ بچتی۔ تھوڑی سی زو وخورد کے بعد اسے ہتھیار ڈال دینے پڑتے اور اپنی جعلسازی کا اقرار کر لینا پڑتا۔

محدثین نے حدیث کی صحت پرکھنے کیلئے ایسے سخت اصول وضوابط بنائے اور ایسا کڑا معیار مقرر کیا کہ دنیا آج تک اس کی نظیر نہ لا سکی۔ کوئی دس لاکھ افراد کی زندگیاں کھنگال کر رکھ دیں۔ پھر جملہ افراد کو اس کسوٹی پر پرکھ کر کھرا کھوٹا الگ کر دکھایا۔ تدوینِ حدیث کے تیسرے اور چوتھے دور میں ان جعلی احادیث کا ذخیرہ بھی تالیفی شکل میں باقاعدہ علیحدہ کر دیا گیا تاکہ راہِ حق کے راہرو کیلئے کسی بھی مرحلہ میں مشکل پیش نہ آسکے!!

یہ ہے واقعہ کی اصل صورت، جو ان کتابوں اور حوالوں سے مستفاد ہوتی ہے جن کی بنیاد پر آپ حضرات نے ''ایرانی سازش'' کا بدبودار افسانہ تیار کیا ہے، اگر آپ کا ایمان بالقرآن آپ کو صدق ودیانت کی اجازت دیتا ہے تو واقعہ کو اس کی حقیقی صورت میں پیش کیجئے اور قبول کیجئے ورنہ اپنے دعویٰ کی دلیل لائیے.....!!!

آپ کے استدلال کی نوعیت بالکل وہی ہے کہ کسی گھر میں چور گھس جائے تو آپ گھر والے ہی کو چور کہنے لگیں اور جب آپ سے ثبوت مانگا جائے تو آپ فرمائیں گے کہ ثبوت یہ ہے کہ اس کے گھر میں چور گھسے تھے، یا کوئی پولیس پارٹی ڈاکوؤں کو گرفتار کر لائے تو آپ پولیس پارٹی ہی کو ڈاکو کہیں اور ثبوت یہ پیش کریں کہ انہوں نے ڈاکوؤں کو گرفتار کیا ہے۔ جناب والا! محدثین نے جعل سازوں سے کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے اور نہ اپنے ذخیرے میں ان کی روایات کو درآنے دیا ہے، بلکہ ان کی جعل سازی پکڑ کر لوگوں کو بتلایا ہے کہ فلاں نے فلاں سے روایتیں گھڑی ہیں۔ اس فرض شناسی پر خود محدثین اور ان کی روایتیں آخر موردِ الزام کیسے ٹھہر گئیں؟

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

آپ نے ذرا آگے چل کر اسی سلسلے میں اناجیلِ اربعہ کی استنادی حیثیت کی کمزوری بھی بطورِ شہادت پیش کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ذہن پر یہ ضابطہ کابوس بن کر مسلط ہو چکا ہے کہ کوئی بھی واقعہ اسی وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب کہ وہ علیٰ الفور قیدِ کتابت میں آچکا ہو۔ صرف چند برسوں کی تاخیر بھی اسے مشکوک بلکہ ناقابل قبول بنا دینے کیلئے کافی ہے، اگرچہ درمیان کے ناقلین اور رواۃ کتنے ہی زیادہ مستند اور قابل اعتماد کیوں نہ ہوں، بلکہ خود واقعہ کے عینی شاہد ہی نے اسے کیوں نہ قلم بند کیا ہو۔

میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ کا یہ ضابطہ تسلیم کرلیا جائے تو پھر قرآن مجید کی استنادی حیثیت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ قرآن میں گذشتہ اقوام (قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم مدین واصحاب الأیکہ، قوم ابراہیم، قوم لوط، قوم سبا وغیرہ وغیرہ) کے واقعات ان کے وقوع کے ہزار ہا ہزار برس کے بعد قلم بند کئے گئے ہیں۔ پھر آپ کے مذکورہ بالا اصولوں کی رو سے انہیں کیونکر مستند تسلیم کیا جاسکتا ہے ایک دشمنِ اسلام بالکل آپ ہی کے لب ولہجہ اور اندازِ گفتگو میں کہہ سکتا ہے کہ یہ سارے واقعات عرب قصہ گو اور داستان سرا اپنی شبانہ محفلوں، قومی میلوں اور بازاری اجتماعات میں دارا وسکندر اور رستم واسفندیار کے قصوں کی طرح گرمئ محفل کیلئے بیان کیا کرتے تھے۔ یہ محض عرب کی دیومالائی کہانیوں کا حصہ تھے، ان کی کوئی حیثیت واہمیت نہ تھی۔ بلکہ یہ زید، عمرو، بکر کی زبان پر بے روک ٹوک گشت کیا کرتے تھے، لیکن ہزاروں برس بعد جب قرآن نے انہی قصوں کو قانونِ قدرت کے تاریخی تسلسل کی شہادت کی حیثیت سے پیش کیا تو کلام الٰہی بن گیا جس پر ایمان لانا واجب قرار پا گیا اور جس کا انکار کرنا کفر ٹھہر گیا۔ بھلا ان قصوں کا کیونکر اعتبار کیا جائے جو ہزار ہا برس تک قصہ گویوں اور داستان سراؤں کا موضوعِ سخن بنے رہے، ہر کہ ومہ کی زبان پر بے روک ٹوک گشت کرتے رہے اور جنہیں ان کے وقوع کے ہزار ہا برس بعد ایک نبوت کے دعویدار نے قیدِ کتابت میں لاکر وحی الٰہی اور دین وایمان کا جزو قرار دے دیا۔

بتایئے! اگر آپ کے سامنے دشمنِ اسلام یہ سوال پیش کردے تو آپ اپنے مذکورہ بالا اصول پر قائم رہتے ہوئے کیا جواب دے سکتے ہیں؟ اور اگر قرآن کی استنادی حیثیت ماننے اور منوانے کے سلسلے میں آپ اس اصول کے پابند نہیں تو حدیث کی استنادی حیثیت کے معاملے میں اس اصول کی پابندی پر آپ کو اصرار کیوں ہے.....؟

اصل حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کو محفوظ، مستند اور قابل اعتماد قرار دینے کیلئے اس کا قیدِ کتابت میں آیا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے، یعنی یہ اصول اور معیار ہی سرے سے غلط ہے کہ اگر کوئی بات اپنے وقوع کے وقت قیدِ کتابت میں آگئی تو قابل اعتماد ہوگی ورنہ نہیں۔ اس لئے یہ خیال صحیح نہیں کہ قرآن اس لئے قابلِ اعتماد واستناد ہے کہ وہ لکھوایا گیا تھا اور احادیث اس لئے قابلِ اعتماد واستناد نہیں کہ وہ عہدِ رسالت اور عہدِ خلافت میں لکھوائی نہیں گئیں تھیں۔ بلکہ اس سلسلہ میں معاملہ کی جو صحیح نوعیت ہے اسے ذیل کے الفاظ میں سنئے:

''اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن کو جس وجہ سے لکھوایا گیا وہ یہ تھی کہ اس کے الفاظ اور معنی دونوں من جانب اللہ تھے۔ اس کے الفاظ کی ترتیب ہی نہیں، اس کی آیتوں کی ترتیب اور سورتوں کی ترتیب بھی اللہ کی طرف سے تھی۔ اس کے الفاظ کو دوسرے الفاظ سے بدلنا بھی جائز نہ تھا، اور وہ اس لئے نازل ہوا تھا کہ

لوگ انہی الفاظ میں اسی ترتیب کے ساتھ اس کی تلاوت کریں۔ اس کے مقابل میں سنت کی نوعیت بالکل مختلف تھی، وہ محض لفظی نہ تھی بلکہ عملی بھی تھی اور جو لفظی تھی اس کے الفاظ قرآن کے الفاظ کی طرح بذریعہ وحی نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ نبی کریم ﷺ نے اس کو اپنی زبان میں ادا کیا تھا۔ پھر اس کا ایک بڑا حصہ ایسا تھا جسے نبی کریم ﷺ کے ہمعصروں نے اپنے الفاظ میں بیان کیا تھا، مثلاً یہ کہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق ایسے تھے، نبی کریم ﷺ کی زندگی ایسی تھی اور فلاں موقع پر نبی کریم ﷺ نے یوں عمل کیا۔ نبی کریم ﷺ کے اقوال وتقریریں نقل کرنے کے بارے میں بھی یہ پابندی نہ تھی کہ سننے والے انہیں لفظ بلفظ نقل کریں۔ بلکہ اہل زبان سامعین کیلئے یہ جائز تھا اور وہ اس پر قادر بھی تھے کہ آپ سے ایک بات سن کر معنی ومفہوم بدلے بغیر اسے اپنے الفاظ میں بیان کر دیں۔ نبی کریم ﷺ کے الفاظ کی تلاوت مقصود نہ تھی بلکہ اس تعلیم کی پیروی مقصود تھی جو آپ نے دی ہو۔ احادیث میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کی طرح یہ ترتیب محفوظ کرنا بھی ضروری نہ تھا کہ فلاں حدیث پہلے ہو اور فلاں اس کے بعد۔ اس بنا پر احادیث کے معاملے میں یہ بالکل کافی تھا کہ لوگ اسے یاد رکھیں اور دیانت کے ساتھ انہیں لوگوں تک پہنچائیں۔ ان کے معاملے میں کتابت کی وہ اہمیت نہ تھی جو قرآن کے معاملے میں تھی۔

دوسری بات جسے خوب سمجھ لینا چاہیے، یہ ہے کہ کسی چیز کے سند اور حجت ہونے کیلئے اس کا لکھا ہوا ہونا قطعاً ضروری نہیں ہے۔ اعتماد کی اصل بنیاد اس شخص یا ان اشخاص کا بھروسے کے قابل ہونا ہے جس کے یا جن کے ذریعہ سے کوئی بات دوسرے تک پہنچے، خواہ وہ مکتوب ہو یا غیر مکتوب۔ خود قرآن کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے لکھوا کر نہیں بھیجا بلکہ نبیؐ کی زبان سے اس کو بندوں تک پہنچایا۔ اللہ نے پورا انحصار اس بات پر کیا کہ جو لوگ نبیؐ کو سچا مانیں گے وہ نبیؐ کے اعتماد پر قرآن کو ہمارا کلام مان لیں گے۔ نبی ﷺ نے بھی قرآن کی جتنی تبلیغ واشاعت کی، زبانی ہی کی۔ آپؐ کے جو صحابہؓ مختلف علاقوں میں جا کر تبلیغ کرتے تھے وہ قرآن کی سورتیں لکھی ہوئی نہ لے جاتے تھے۔ لکھی ہوئی آیات اور سورتیں تو اس تھیلے میں پڑی رہتی تھیں۔ جس کے اندر آپ ﷺ انہیں کاتبانِ وحی سے لکھوا کر ڈال دیا کرتے تھے، باقی ساری تبلیغ واشاعت زبان سے ہوتی تھی اور ایمان لانے والے اس ایک صحابیؓ کے اعتماد پر یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ جو کچھ وہ سنا رہا ہے وہ اللہ کا کلام ہے یا، رسول اللہ ﷺ کا جو حکم وہ پہنچا رہا ہے وہ نبی کریم ﷺ ہی کا حکم ہے۔

تیسرا اہم نقطہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ لکھی ہوئی چیز بجائے خود کبھی قابل اعتماد نہیں ہوتی، جب تک کہ زندہ اور قابل اعتماد انسانوں کی شہادت اس کی توثیق نہ کرے۔ محض لکھی ہوئی کوئی چیز اگر ہمیں ملے اور ہم اصل لکھنے

والے کا خط نہ پہچانتے ہوں یا لکھنے والا خود نہ بتائے کہ یہ اسی کی تحریر ہے یا ایسے شواہد موجود نہ ہوں جو اس امر کی تصدیق کر دیں کہ یہ تحریر اسی کی ہے جس کی طرف منسوب کی گئی ہے تو ہمارے لئے محض وہ تحریر یقینی کیا معنی، ظنی حجت بھی نہیں ہو سکتی..... یہ ایک اصولی حقیقت ہے جسے موجودہ زمانے کا قانونِ شہادت بھی تسلیم کرتا ہے اور فاضل جج خود اپنی عدالت میں اس پر عمل فرماتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کے محفوظ ہونے پر ہم جو یقین رکھتے ہیں، کیا اس کی بنیاد یہی ہے کہ وہ لکھا گیا تھا؟ کاتبینِ وحی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے صحیفے جو نبی کریم ﷺ نے املا کرائے تھے، آج دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ اگر موجود ہوتے تو بھی آج کون یہ تصدیق کرتا کہ یہ وہی صحیفے ہیں جو نبی کریم ﷺ نے لکھوائے تھے۔ خود یہ بات بھی کہ نبی کریم ﷺ اس قرآن کو نزولِ وحی کے ساتھ ہی لکھوا لیا کرتے تھے، زبانی روایات ہی سے معلوم ہوئی ہے، ورنہ اس کے جاننے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا۔ پس قرآن کے محفوظ ہونے پر ہمارے یقین کی اصل وجہ اس کا لکھا ہوا ہونا نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ زندہ انسان زندہ انسانوں سے مسلسل اس کو سنتے اور آگے زندہ انسانوں تک اسے پہنچاتے چلے آ رہے ہیں۔ لہٰذا یہ خیال ذہن سے نکال دینا چاہیے کہ کسی چیز کے محفوظ ہونے کی واحد سبیل اس کا لکھا ہوا ہونا ہے۔ ان امور پر اگر فاضل جج اور ان کی طرح سوچنے والے حضرات غور فرمائیں تو انہیں یہ تسلیم کرنے میں ان شاء اللہ کوئی زحمت پیش نہ آئے گی کہ اگر معتبر ذرائع سے کوئی چیز پہنچے تو وہ سند بننے کی پوری قابلیت رکھتی ہے خواہ وہ لکھی نہ گئی ہو۔ تمام منکرینِ حدیث بار بار قرآن کے لکھے جانے اور حدیث کے نہ لکھے جانے پر اپنے دلائل کا دارومدار رکھتے ہیں لیکن یہ بات کہ نبی کریم ﷺ اپنے زمانے میں کاتبانِ وحی سے نازل شدہ وحی لکھوا لیتے تھے اور اس تحریر سے نقل کر کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن کو مصحف کی شکل میں لکھا گیا اور بعد میں اسی کی نقلیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے شائع کیں، یہ سب کچھ محض حدیث کی روایات ہی سے دنیا کو معلوم ہوا ہے قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے نہ حدیث کی روایات کے سوا اس کی کوئی دوسری شہادت دنیا میں کہیں موجود ہے۔ اب اگر حدیث کی روایات سرے سے قابل اعتماد نہیں تو پھر کس دلیل سے دنیا کو آپ یقین دلائیں گے کہ فی الواقع قرآن نبی کریم ﷺ کے زمانے میں لکھا گیا تھا؟

کسی کا یہ کہنا کہ عہد نبویؐ کے رواجات، روایات، نظائر، فیصلوں، احکام اور ہدایات کا پورا ریکارڈ ہم کو ''ایک کتاب'' کی شکل میں مرتب شدہ ملنا چاہیے تھا، درحقیقت ایک خالص غیر عملی طرزِ فکر ہے اور وہی شخص یہ بات کہہ سکتا ہے جو خیالی دنیا میں رہتا ہو۔ آپ قدیم زمانے کے عرب کی حالت چھوڑ کر تھوڑی دیر کیلئے آج اس زمانے

کی حالت کو لے لیجئے جب کہ احوال ووقائع کو ریکارڈ کرنے کیلئے ذرائع بے حد ترقی کر چکے ہیں۔ فرض کر لیجئے کہ اس زمانے میں کوئی لیڈر ایسا موجود ہے جو ۲۳ سال تک شب و روز کی مصروف زندگی میں ایک عظیم الشان تحریک برپا کرتا ہے، ہزاروں افراد کو اپنی تعلیم و تربیت سے تیار کرتا ہے، ان سے کام لے کر ایک پورے ملک کی فطری، اخلاقی، تمدنی اور معاشی زندگی میں انقلاب پیدا کرتا ہے، اپنی قیادت و رہنمائی میں ایک نیا معاشرہ اور ایک نئی ریاست وجود میں لاتا ہے، اس معاشرے میں اس کی ذات ہر وقت ایک مستقل نمونہ ہدایت بنی رہتی ہے، ہر حالت میں لوگ اس کو دیکھ دیکھ کر یہ سبق لیتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔ ہر طرح کے لوگ شب و روز اس سے ملتے رہتے ہیں اور وہ ان کو عقائد و افکار، سیرت و اخلاق، عبادات و معاملات، غرض ہر شعبہ زندگی کے متعلق اصولی ہدایات بھی دیتا ہے اور جزئی احکام بھی۔ پھر اپنی قائم کردہ ریاست کا فرمانروا، قاضی، شارع، مدبر اور سپہ سالار بھی تنہا وہی ہے اور دس سال تک اس مملکت کے تمام شعبوں کو وہ خود اپنے اصولوں پر قائم کرتا اور اپنی رہنمائی میں چلاتا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آج اس زمانے میں یہ سارا کام کسی ایک ملک میں ہو تو اس کا ریکارڈ ''ایک کتاب'' کی شکل میں مرتب ہو سکتا ہے؟ کیا ہر وقت اس لیڈر کے ساتھ ٹیپ ریکارڈ لگا رہ سکتا ہے؟ کیا ہر آن فلم کی مشین اس کی شبانہ روز نقل و حرکت ثبت کرنے میں لگی رہ سکتی ہے؟ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کیا آپ کہیں گے کہ وہ ٹھپا جو اس لیڈر نے ہزاروں لاکھوں افراد کی زندگی پر، پورے معاشرے کی ہیئت اور پوری ریاست کے نظام پر چھوڑا ہے، سرے سے کوئی شہادت ہی نہیں ہے جس کا اعتبار کیا جا سکے؟ کیا آپ یہ دعویٰ کریں گے کہ اس لیڈر کی تقریر سننے والے، اس کی زندگی دیکھنے والے، اس سے ربط و تعلق رکھنے والے بے شمار افراد کی رپورٹیں سب کی سب ناقابل اعتماد ہیں۔ کیونکہ خود اس لیڈر کے سامنے وہ ''ایک کتاب'' کی شکل میں مرتب نہیں کی گئیں اور لیڈر نے ان پر اپنے ہاتھ سے مہر تصدیق ثبت نہیں کی؟ کیا آپ فرمائیں گے کہ اس کے عدالتی فیصلے اور اس کے انتظامی احکام، اس کے قانونی فرامین، اس کے صلح و جنگ کے معاملات کے متعلق جتنا مواد بھی بہت سی مختلف صورتوں میں موجود ہے، اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں کیونکہ وہ ایک ''جامع و مانع کتاب'' کی شکل میں تو ہے ہی نہیں؟ [ترجمان القرآن: منصب رسالت نمبر، ص ۳۳، ۳۴، ۱۶۳، ۳۳۶ تا ۳۳۸]

اس وضاحت کے بعد یہ بھی عرض ہے کہ آپ ذخیرہ حدیث کو فن تاریخ کے معیار پر پورا اترتا ہوا تسلیم نہیں کرتے، اس لئے آپ کو چیلنج ہے کہ آپ دنیا کے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ معیار تاریخ کو معیار حدیث کے ہم پلہ ہی ثابت کر دیجئے، صرف بڑا بول بول دینا کوئی کمال نہیں!!!

الزام تراشی اور نگاری کلامی کے الزام کی حقیقت: آپ نے منکرین حدیث کا اندازِ اِدّعاء بلکہ اندازِ افتراء اختیار کرتے ہوئے حدیث کے ایک اور ''تاریک پہلو'' کی نشاندہی کی ہے جسے آپ کے بقول ''اسلامی تاریخ'' کا ''المیہ'' کہنا چاہیے کہ حدیث کے مجموعوں میں ایسی روایات بکثرت ملتی ہیں جو ''الزام تراشی، دروغ بافی اور فحش نگاری'' کا مرقع ہیں اور اس ''بکثرت'' کی مقدار خود آپ لوگوں کی نشاندہی کے مطابق ایک فیصدی بھی نہیں۔ کیا اسی کو ''بکثرت'' کہا جاتا ہے؟ پھر جہاں تک ''دروغ بافی'' کا سوال ہے تو حقیقت کھل چکی ہے۔ جب تک آپ یہودی مستشرقین کی خوردبین لگا کر دیکھیں گے، یرقان کے مریض کی طرح آپ کو ہر طرف دروغ ہی دروغ نظر آئے گا کیونکہ یہ مرض آپ کے رگ وپے میں سرایت کر چکا ہے۔ اس کا واحد علاج یہ ہے کہ آپ حقیقت پسندی اختیار کریں اور معاملہ کو اس کی صحیح اور اصل شکل میں ملاحظہ فرمائیں۔ ورنہ جب تک آپ گھر کے مالک اور محافظ کو چور اور پولیس پارٹی کو ڈاکو سمجھیں گے، آپ کو اس بیماری سے نجات نہیں مل سکتی۔

باقی رہا ''الزام تراشی اور فحش نگاری'' کا دعویٰ تو یہ بھی سراسر زبردستی ہی ہے۔ آپ کے اشارے یا تو ان روایات کی طرف ہیں جن کے جھوٹ ہونے کی قلعی خود محدثین نے کھول دی ہے لیکن آپ کمال ڈھٹائی سے ان چوری پکڑنے والوں ہی کو چور کہہ رہے ہیں یا پھر آپ نے ایسی باتوں کو ''الزام تراشی'' اور ''فحش نگاری'' قرار دے دیا ہے جن کی نظیریں خود قرآن میں موجود ہیں۔ تو کیا (نعوذ باللہ) آپ قرآن میں ''الزام تراشی اور فحش نگاری'' تسلیم کریں گے؟ اگر نہیں تو پھر حدیث اور روایات کی ویسی ہی باتوں کو آپ الزام تراشی اور فحش نگاری قرار دینے پر کیوں تلے بیٹھے ہیں؟ آپ نے جن روایات کی طرف اشارہ کیا ہے، آیئے! انہیں میں سے ایک آدھ سے اس کی توضیح کرتے ہیں: آپ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نام لیا ہے، ان کی بابت صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں تین کذبات کا ارتکاب کیا ہے۔ کذب، جھوٹ، غلط اور خلافِ واقعہ بات کو کہتے ہیں۔ صحیح بخاری کی یہ روایت سنتے ہی آپ حضرات بھی اور قائلین حدیث میں سے بعض عقلیت پسند بھی سیخ پا ہو جاتے ہیں لیکن آیئے ذرا سنجیدگی سے اس روایت پر غور کریں!! اس روایت میں جن تین کذبات کا انتساب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف کیا گیا ہے ان میں سے دو کی تفصیلات خود قرآن میں مذکور ہیں۔ قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ: سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے باتیں کر رہے تھے، اچانک انہوں نے تاروں پر ایک نظر ڈالی اور کہا کہ میں بیمار ہوں۔ قوم چلی گئی اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ تمہاری حرکت ہے؟ انہوں نے کہا: بلکہ اس بڑے بت نے یہ

حرکت کی ہے، اگر تمہارے یہ معبود بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو.....الخ اس میں دو باتیں قابل غور ہیں:

۱۔ یہ کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کا عذر جس سیاق وسباق میں کیا تھا اس کا منشا یہ تھا کہ میں تمہارے ساتھ چلنے کے لائق نہیں۔ یا یہ کہ بیماری کے سبب میرے لئے بات چیت کرنی مشکل ہے لیکن جوں ہی قوم ہٹی، وہ جھٹ اُٹھے اور بتوں پر پل پڑے۔ اگر واقعتاً وہ ایسے ہی بیمار تھے جیسی بیماری کا اظہار فرمایا تھا تو کیا وہ بت خانے تک پہنچ سکتے تھے؟ اور بتوں کو توڑ سکتے تھے؟

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے بت شکنی کا الزام بڑے بت پر عائد کیا۔ کیا واقعتاً اُسی نے باقی بتوں کو توڑا تھا؟ یقیناً نہیں۔ ثابت ہوا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ دونوں باتیں خلافِ واقعہ کہی تھیں، جسے عربی زبان میں ''کذب'' کہتے ہیں۔

تیسرے واقعہ کی تفصیل صحیح بخاری میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی سارہ کے ہمراہ ایک جابر حکمران کے علاقے سے گزرے، وہ حکمران خوبصورت عورتیں چھین لیتا تھا۔ اگر ساتھ میں شوہر ہوتا تو قتل کر دیا جاتا تھا۔ سیدہ سارہ کو بھی اس حکمران نے طلب کیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم مجھے اپنا بھائی ظاہر کرنا۔ متعدد مآخذ میں اس کی وضاحت بھی ہے کہ سیدہ سارہ کچھ دور کے تعلق سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بہن ہوتی تھی، یوں بھی وہ دینی بہن تھیں۔ لیکن جس سیاق میں وہ اپنے آپ کو بہن کہتیں اس سے سننے والا یہ سمجھتا کہ وہ حقیقی بہن ہیں۔ اس لئے یہ بات خلافِ واقعہ ہوئی۔ یہ تینوں معاملے ایک اور پہلو سے بھی قابل غور ہیں۔ پہلے اور دوسرے موقع پر خلافِ واقعہ بولے بغیر بھی مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کہہ سکتے تھے کہ آج مجھے معاف رکھیں، میں آپ حضرات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اسی طرح وہ بڑے بت کا نام لئے بغیر کہہ سکتے تھے کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ اپنے ان معبودوں سے پوچھ لو، اگر بولتے ہیں۔ لیکن تیسرا موقع بڑا نازک تھا۔ بیوی اور جان دونوں خطرے میں تھے۔ ایسی صورت میں قرآن نے ارتکابِ کفر کی اجازت دی ہے ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ اس لئے یہ تیسرا واقعہ بھی قرآن کی نگاہ میں معیوب نہیں۔

یہ ہے ان تین کذبات کا خلاصہ جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں سے پہلے دو کی نسبت خود قرآن نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی ہے۔ صحیح بخاری میں ان کا صرف حوالہ دیا گیا ہے۔ البتہ تیسرا واقعہ صرف صحیح بخاری میں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ آپ اس نسبت کو ''الزام تراشی اور دروغ بافی'' کا مرقع قرار دے رہے ہیں تو آپ کے اس الزام کا صرف ۳/۱ حصہ حدیث پر اور ۳/۲ حصہ قرآن پر عائد ہوتا ہے۔ غور فرمایئے! آپ

نے کس جسارت اور دلیری کے ساتھ حدیث دشمنی کے جوش میں قرآن مجید ہی کو الزام تراشی اور دروغ بافی کا مرقع قرار دے دیا۔ فنعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ..... آپ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کا نام بھی لیا ہے، حالانکہ صحیح احادیث میں تو ان پر کوئی الزام نہیں۔ بلکہ انہیں ''کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم'' کہا گیا ہے اور قید خانے میں ان کی ثابت قدمی پر ان کی مدح وتوصیف کی گئی ہے۔ البتہ قرآن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے حقیقی بھائی سے ساز باز کر کے ان کے غلے میں شاہی برتن رکھ دیا پھر اپنے بھائیوں کے قافلے پر چوری کا الزام عائد کرا کر ان کی تلاشی لی اور حقیقت چھپانے کیلئے پہلے دوسرے بھائیوں کی تلاشی لی، پھر اپنے حقیقی بھائی کے غلہ سے برتن نکال کر دوسرے بھائیوں سے لئے گئے اقرار کے مطابق اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس روک لیا۔ غالباً آپ کے ذہن میں یہی واقعہ تھا۔ لیکن آپ کو یہ یاد نہیں رہا کہ اس کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ اس لئے آپ نے اسے شانِ انبیاء کے خلاف سمجھ کر احادیث اور روایتوں پر ''الزام تراشی'' کا الزام تراشنے میں اپنی چابک دستی کا مظاہرہ فرما دیا۔ لیکن آپ کی اس چابک دستی کی زَد حدیث کے بجائے قرآن پر آپڑی۔ قریب قریب یہی معاملہ ان بقیہ شخصیتوں کا ہے جن کے اسماءِ گرامی آپ نے ذکر کئے ہیں، اگر تفصیل میں آپ جانا چاہتے ہیں تو چلئے ہم بھی تیار ہیں:

سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ خار میں مجنوں کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

ہماری اس توضیح سے یہ حقیقت بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ آیا امام بخاریؒ کا نام سن کر جماعت اہل حدیث پر ''سہم کا دورہ'' پڑ جاتا ہے، یا آپ حضرات پر جوشِ مخالفت میں سرسامی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، جس کے بعد آپ حضرات کو ہوش ہی نہیں رہتا کہ آپ کیا بک رہے ہیں اور کس کے خلاف بک رہے ہیں۔ آپ نے حدیث پر ''مثلہٗ معہٗ'' کی پھبتی بھی چست فرمائی ہے مگر بتایئے کہ جب قرآن مجید نے اُسوۂ رسول ﷺ کو مدارِ نجات قرار دے کر اپنے بنیادی احکام تک کی تفصیلات اسی پر چھوڑ دی ہیں، اور اس اُسوۂ کو اس حد تک وسعت دی ہے کہ پیغمبروں کے خواب تک کو وحی الٰہی اور حکم الٰہی کا درجہ دے رکھا ہے اور جگہ جگہ ایسی وحی کے حوالے دیئے ہیں جن کا قرآن میں کہیں نام ونشان تک نہیں تو خود اس قرآن کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا؟ حدیث سے پہلے آپ کی اس پھبتی کی زَد تو خود قرآن ہی پر پڑ رہی ہے۔ اگر آپ اسے ماننے کیلئے تیار نہیں تو آئندہ ہم اس اجمال کی تفصیل بھی پیش کر سکتے ہیں۔

اَن گنت راویوں پر ایمان لانے کا معاملہ: آپ نے یہ بھی سوال اٹھایا ہے کہ ''قرآن پر ایمان لانے کیلئے رسول ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ پس اسی طرح روایتوں کو حدیثِ رسولؐ ماننے کیلئے تمام

راویوں پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ تو کیا ہمیں اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے اَن گنت راویوں پر ایمان لانے کی تکلیف دی گئی ہے؟.....''

اولاً: میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے؟ اور نبی کریم ﷺ پر قرآن کے نزول کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں بلکہ آپ تو چودھویں صدی میں پیدا ہوئے ہیں۔ اب آپ بتایئے کہ آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوا کہ نبی کریم ﷺ پیغمبر تھے؟ اور آپ پر یہی قرآن نازل ہوا تھا جو اس وقت ہمارے ہاں متداول ہے؟ آپ یہی کہیں گے کہ اس امت کے اجتماعی نقل وتواتر سے یہ قرآن ہم تک پہنچا ہے، اس لئے ہم اس کی صحت کا یقین رکھتے ہیں۔

اب مجھے عرض کرنے دیجئے کہ آپ کے مقرر کئے ہوئے اُصول کے مطابق قرآن پر ایمان لانے کے لئے صرف نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا کارآمد نہ ہوسکے گا، بلکہ اس چودہ سو برس کے دوران پیدا ہونے والے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر (خواہ زاہد ومتقی ہوں، خواہ فاسق وفاجر) ایمان لانا ہوگا تو کیا ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اس اُمت کے اَن گنت نیک وبد انسانوں پر ایمان لانے کی تکلیف دی گئی ہے؟ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

ثانیاً: قرآن نے جو یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کرلو، جس کا صاف تقاضا یہ ہے کہ اگر ''متقی'' خبر لائے تو تحقیق کی بھی حاجت نہیں، یوں ہی مان لو۔ اب آپ ہی بتایئے کہ اگر اُسوۂ رسول اللہ ﷺ کے متعلق کوئی شخص کوئی خبر دے تو قرآن کے اس اصول اور حکم پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ اگر قرآن کے اس حکم پر عمل کیا گیا، اور اس کی بتائی ہوئی خبر قابل قبول ثابت ہوئی تو کیا اس خبر کو ماننے کیلئے اس شخص پر ایمان لانا پڑے گا؟ اگر ایمان لانا پڑے گا تو پھر ایسے جتنے بھی افراد پر ایمان لانا پڑے، لایئے۔ یہ تو عین حکم قرآنی کا اتباع ہوگا اور اگر نہیں لانا پڑے گا تو پھر آپ کی اس چیخ وپکار کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ روایتوں کو قبول کرنے کا مطالبہ کرکے درحقیقت ہم سے ان گنت راویوں پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا جارہا ہے؟ اللہ کے بندے! اپنے تفقہ فی الدین اور تدبر فی القرآن کی کچھ تو لاج رکھنی تھی۔ ہماری پچھلی گذارشات سے واضح ہو چکا ہے کہ آپ جس چیز کو ایک ''ٹھوس حقیقت'' سمجھے بیٹھے ہیں وہ درحقیقت ایک پھُسپھُسا تخیل ہے جس کی حیثیت: ﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ ِ اجْتُثَّتْ مِن فَوْقِ الْأَرْضِ مَالَهَا مِن قَرَارٍ﴾ [ابراہیم:۲۶] ''اور ناپاک بات کی مثال گندے درخت جیسی ہے جو زمین کے کچھ ہی اوپر سے اکھاڑ لیا گیا۔ اسے کچھ ثبات تو ہے نہیں''۔ سے زیادہ نہیں ہے۔

اگر کوئی ٹھوس حقیقت ہے تو صرف یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب پر ایمان لانا فرض ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا، آپؐ کی اطاعت کرنا، آپؐ کے فیصلوں کو دل کی تنگی و ناگواری کے بغیر تسلیم کرنا اور ان فیصلوں کے مقابل میں اپنے آپ کو خود مختار نہ سمجھنا، آپؐ کے اُسوۂ اور طریق عمل کی پیروی کو رضائے الٰہی اور نجاتِ آخرت کا مدار سمجھنا اور آپؐ کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنا فرض ہے۔ یہ سارا فرض خود قرآن نے عائد کیا ہے۔ اس فرض کو عائد کرنے کے بعد اس نے دین کے بڑے اہم اہم اور بنیادی قسم کے مسائل میں خاموشی اختیار کر لی ہے۔ نماز قائم کر۔ اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم سینکڑوں جگہ دیا ہے مگر ان کی تفصیلات سے خاموشی ہے۔ اسی طرح اس نے زندگی کے بے شمار مسائل میں صرف بعض بنیادی اُمور کی طرف اشارہ کر کے خاموشی اختیار کر لی ہے کیونکہ اس نے باقی تفصیلات کا دار و مدار اُسوۂ رسولؐ پر رکھ دیا ہے۔ اب جو لوگ یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ قرآن سے باہر اُسوۂ رسولؐ کہیں بھی محفوظ نہیں رہ گیا ہے اور احادیث کے نام سے جو ذخائر امت کے ہاتھ میں متداول ہیں، ان کی کوئی حیثیت اور کوئی مقام نہیں، وہ درحقیقت قرآن کو ناقابل عمل اور اس کی رہنمائی کو سراپا لغو سمجھ رہے ہیں، اور انکارِ حدیث کا لبادہ اوڑھ کر قرآنی تعلیمات کو روندنے اور کچلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز و درماندہ اور مجبور و بے بس سمجھ رہے ہیں کہ اس نے اُسوۂ رسولؐ کی پیروی کا حکم تو دے دیا اور اسے مدارِ نجات تو ٹھہرا دیا، لیکن چند ہی برس بعد جب چند ''ایرانی سازشیوں'' نے اس اُسوۂ رسولؐ کے خلاف ''سازش'' کی تو اپنی تمام تر قوت و طاقت، ملک و جبروت اور حکمت و قہرمانی کے باوجود ان کی ''سازش کو ناکام نہ بنا سکا، اُمتِ مرحومہ کی دستگیری نہ کر سکا اور ہمیشہ کیلئے گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیا۔

وہ لوگ اپنے یہودی مستشرقین کی پلائی ہوئی شراب ''حقیقت پسندی'' کے نشے میں بدمست ہو کر ساری اُمت کو بیوقوف سمجھ بیٹھے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی شاہراہِ ہدایت سے کٹ کر اور لوگوں کو کاٹ کر اپنی عقلی تک بندیوں کے خارزار پر دوڑانا چاہتے ہیں، جو سراسر بے انصافی اور انتہائی زیادتی ہے اور جس کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ [النساء:۱۱۵] ''جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اختیار کرے گا، اور مومنین کی راہ سے الگ تھلگ اپنی راہ بنائے گا، ہم اُسے اسی راہ پر ڈال دیں گے جسے اس نے اختیار کیا ہے، اور اسے جہنم میں جلائیں گے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے''۔

حافظ عبدالرحمٰن نعیم شیخ (لاہور) کے بھائی سیف شیخ کی طرف سے جماعتی احباب کیلئے ضروری اعلان

موبی لنک Mobilink موبائیل کمپنی سے متعلقہ کسی بھی طرح کی معلومات اور مسائل کے حل کیلئے تمام جماعتی احباب خدمت کا موقعہ دیں۔ برائے رابطہ: سیف شیخ۔ بزنس ڈویلپمنٹ آفیسر (ہیڈ آفس مولی لنک) موبائیل: 0301-8446829